Oriental College Magazine, Vol.99, No. 04, Serial No. 374, 2024

حافظ محمود شیرانی اور مسعود حسین خاں کے لسانی نظریات کا تقابلی مطالعہ

اللہ رکھا حسنی

ریسرچ سکالر ایم فل (اُردو)، اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

فہمیدہ تبسم، پی ایچ ڈی

صدر شعبہ اردو، جامعہ وفاقی اردو اسلام آباد

A COMPARATIVE ANALYSIS OF LINGUISTIC THEORIES OF HAFIZ MAHMOOD SHERANI AND MASOOD HASAN KHAN

Allah Rakha Hasni
MPhil Research scholar (Urdu)
The Islamia University Bahawalpur

Fehmida Tabassum, PhD
Chairperson Department of Urdu
Federal Urdu University of Arts Science
and Technology Islamabad

Abstract

There have been many linguistic theories about the origin and development of Urdu language. Syed Shams Ullah Qadri, Muhammad Husain Azad, Sir Syed Ahmed Khan, Imam Buksh Sehbai, Mir Aman Dehlvi, Griersan, Zor Qadri, Hafiz Sherani,Masood Hussain Khan Shaukat Sabzwari, Abu Lais Siddiqui , Akhtar Orenvi ,Gyan Chand jain and Mirza Khalil Ahmed Baig are famous linguists who have represented their views in the light of different historical and political events.Syntactical and grammatical similaritie are the grouds on which they have laid their foundation of linguistic theory. This paper deals particularly with the linguistic theories of Hafiz Mehmood Sherani and Masood Hussain Khan.

Keywords:
Linguistic, Origin, Theories, Historical, Development, Urdu

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق کی طاقت اور شعور کی قوت ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہو کر احسن تقویم کی شرح دل پذیر ہے جس نے ایک طرف اپنے شعور کی بدولت ارتقا کی منزلیں طے کیں اور دوسری طرف قوت گویائی سے کام لے کر اپنے احساسات، جذبات، خیالات اور نظریات کا پرچار کر کے اپنے اجتماعی حافظے کو زبانی روایت کے بل بوتے پر آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ علم اللسان ابتدا ہی سے انسان کی دلچسپی کا محور اور تجسس کا مرکز رہا ہے۔ مفرد آوازوں سے لے کر مکالمے تک کا سفر اپنے اندر داستان دل پسند رکھتا ہے۔ جس نے اپنے ارتقائی سفر میں مختلف ارضی خطوں کی سیر کرتے ہوئے متنوع نسلی عناصر کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف قوموں اور قبیلوں کی لسانی جبلتوں کے باعث لفظی پیکر کو نئے ڈھنگ سے جدید خطوط پر استوار کیا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین لکھتے ہیں:

> "زبان عمرانی، معاشرتی اور تہذیبی مظہر ہے۔ ایک دن میں نہ زبان بنتی ہے نہ قواعد۔ نطق سے اظہار تک کا سفر صدیوں پر محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں پیچیدگی اور تنوع پایا جاتا ہے۔"(۱)

جہاں مختلف زبانوں کی تاریخ اور ارتقاء کے بارے میں بہت سارے نظریات پائے جاتے ہیں وہاں اردو کی پیدائش اور ابتداء کے بارے میں بھی مختلف ادوار میں محققین نے میسر تحقیقی وسائل اور ذرائع علم کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے نظریات پیش کیے۔ محمد حسین آزاد نے برج بھاشا سے اردو کے جنم کی بات کی تو مسعود حسین خان اور حافظ محمود شیرانی نے اسکی کلیتاً نفی کر دی۔ ڈاکٹر انعام الحق نے اپنی گراں قدر تصنیف بلوچستان میں اُردو لکھ کر بلوچستان میں اردو کی ترقی کو بیان کیا۔ ادبیات سرحد میں فارغ بخاری اور اردو اور پشتو کے مشترک الفاظ میں ڈاکٹر خٹک نے پشتو کو اردو کا ماخذ بنانے کی مساعی جمیلہ سر انجام دی۔ سلیمان ندوی نے نقوش سلیمانی ،ڈاکٹر شاہدہ بیگم نے سندھ میں اُردو ، مولانا ابو جلال ندوی نے " وادی سندھ کے رسم الخط کے مطالعہ کے ضمن میں تحقیقات و انکشافات " اور شریف الدین اصلاحی نے اردو اور سندھی کے لسانی روابط میں سندھ کو اردو کی جائے پیدائش قرار دیا۔ ڈاکٹر سہیل بخاری نے اردو کی کہانی اور پھر اردو کا روپ لکھ کر دہلی اور نواح دہلی کو اردو کی جنم بھومی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے دکن میں اُردو اور شمس اللہ قادری نے اردوئے قدیم لکھ کر دکن کو یہ اعزاز بخشنے کی راہ ہموار کی ہے۔ عین الحق فرید کوٹی نے اُردو کی قدیم

تاریخ میں منڈا قبائل اور دراوڑی نسل سے اُردو کا تعلق قائم کر کے اپنے نظریے کی بنیاد رکھی ہے اور مقامی عناصر کا سنسکرت پر اثر کس طرح سے سنسکرتی لسانی تبدیلیوں کو جنم دیتا رہا اس سارے عمل پر روشنی ڈالی ہے۔ جبکہ حامد حسن قادری نے " داستان تاریخ زبان اردو " لکھ کر اردو کی مکمل نثری تاریخ لکھ دی ہے۔ شوکت سبز واری نے داستان زبان اردو ،اردو زبان کا ارتقاء میں داد تحقیق دیتے ہوئے کھڑی اور دیگر زبانوں سے اردو کے تعلق کو بیان کیا ہے۔ وفا راشدی نے بنگال میں اردو لکھ کر الگ نوعیت کی کتاب لکھی ہے جو بنگالی مصنفین کی خدمات کو بیان کرتی ہے۔ اسی روایت کو پھر برقرار رکھتے ہوئے حبیب کیفوی نے کشمیر میں اردو ،عبدالجلیل بسمل نے سلہٹ میں اردو آغا افتخار حسین نے یورپ میں اردو لکھی جو اردو کی ترقی اور مقبولیت کی نمائندہ کتب ہیں۔ اس کے علاوہ چند کتابچے بھی قابل ذکر ہیں جیسا کہ تبسم کاشمیری نے "جاپان میں اردو"، کوثر جمال نے "چین میں اردو"، کرنل مسعود اختر نے "ترکی میں اردو"، محبوب امین نجمی نے "کویت میں اردو"، عنایت اللہ فیضی نے "چترال میں اردو"، ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے "قطر میں اردو" اور طارق محمود نے " جامعہ کراچی میں اردو " لکھ کر اردو زبان کے تخلیقی اور تحقیقی سرمائے کو محفوظ کیا ہے۔ ان کتابچوں، کتابوں کی تعداد اور رفتار خوش آئند اور حوصلہ افزا ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کی پرُجوش مقبولیت کی داعی ہے۔ مختلف ماہرین لسانیات نے اُردو زبان کے آغاز کے متعلق جو نظریے پیش کیے ہیں ان میں ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کی کوشش کی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایک ہی ماہر لسانیات کی ایک ہی کتاب میں متضاد بیانات بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔(۲)

موجودہ دور میں مرزا خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر گیان چند جین اور گوپی چند نارنگ نے اردو کے لسانیاتی مباحث پر نئے پہلوؤں کو دریافت کرتے ہوئے اور کہیں پہلے سے موجود مسلمات کو برقرار رکھتے ہوئے اردو کے ارتقاء، اس کی تشکیل اور اسکی جائے پیدائش کے متعلق اپنی اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ٹھوس علمی استدلال کی بنیاد پر رائے کی تبدیلی سنجیدہ اور علمی رد عمل ہے جو ایک محقق کے لیے بنیادی وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی علم کے ذرائع اور میسر تحقیقی سہولتوں کے پیش نظر ہر طرح کے تحقیقی نظریات میں شکست و ریخت کا عمل جاری و ساری رہتا ہے اور تحقیق کا سفر آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اس مقالے میں تمام نظریات کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ حافظ محمود شیرانی اور ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے لسانی نظریات کا تقابلی مطالعہ کرنا مقصود ہے۔ ضمنی طور پر بنائے استدلال کو مستحکم کرنے کے لیے مختلف ماہرین لسانیات اور متعلقات شعبہ لسان کے رجال فن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

حافظ محمود شیرانی درجہ اول کے محقق، بہترین نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ لیکن تحقیق کا رنگ اتنا غالب آیا کہ باقی تمام حیثیتیں اس صدائے تحسین کے نعروں میں گم ہو گئیں جو ان کے منہج و معیار تحقیق کو دیکھ کر جہان فکر و علم میں لگائے گئے۔ مظہر شیرانی نے انکے چھیاسی تحقیقی مضامین اور مقالے گنوائے ہیں جبکہ اٹھارہ تصانیف، تین تالیفات اور تیرہ مطبوعہ منظومات بیان کی ہیں۔ ان میں 'تنقید شعر العجم، تنقید پرتھی راج راسا، فردوسی پر چار مقالے اور انکے تحقیقی مقالات کی دس جلدیں قیمتی علمی سرمایہ ہیں۔ انھوں نے لندن میں رہ کر دو تین سال میں انگریزی سیکھی اسی دوران برٹش میوزیم میں رکھے مشرقی خزائن کا مطالعہ کیا۔ ایک سال تک آرنلڈ کی نگرانی میں عربی ادب کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۱۱ء میں ہنری سٹب کی کتاب An Account of The Rise and Progress of Mohammadanism with the life of Mahomet" کے مسودے کو ترتیب دے کر ضمیمے کے ساتھ شائع کیا۔ جو شیرانی کا پہلا قابل ذکر کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ملازمت کے دوران ہی انہوں عبداللہ یوسف علی کے کہنے پر پنجاب میں اردو لکھی جو اس مقالے کے بنیادی ماخذات میں سے ہے۔

جب کہ مسعود حسین خاں نے لسانیات کی باقاعدہ تعلیم لندن اور پیرس سے حاصل کی۔ ۱۹۵۰ء میں انگلستان میں چلے گئے اور اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز، لندن کے شعبہ لسانیات میں داخل ہوئے جہاں جے۔ آر۔ فرتھ سے نہ صرف بے حد متاثر ہوئے بلکہ اس کے صوتی نظریات کا اطلاق اردو کے لفظی مطالعے اور تجزیے پر کیا۔ ۱۹۵۱ میں مقالے کی تیاری کیلئے لندن سے فرانس گئے۔ ۱۹۵۳ء میں انھیں پیرس یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف یونیورسٹی یعنی ڈی۔ لٹ کی ڈگری سے نوازا گیا جس کا عنوان A Phonetic and Phonological Study of the Word in Urdu تھا۔ جس کا ترجمہ مرزا خلیل احمد بیگ نے اردو لفظ کا صوتی و تجزیاتی مطالعہ کے نام سے کیا۔ مقدمہ تاریخ زبان اردو پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے انھیں ۱۹۴۵ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا جو اس تحقیقی مقالے میں زیر بحث ہے۔ یہ مقالہ پہلی بار کتابی صورت میں ۱۹۴۸ء میں دلی سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ 'اقبال کی نظری عملی شعریات''، دو نیم ''اردو کی تاریخ، تشکیل اور تقدیر'، 'ابراہم نامہ'، 'عاشور نامہ'، اور قصہ مہر دل افروز و دل ربا' جیسی تحقیقات مسعود حسین خاں کے فن تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

حافظ محمود شیرانی اردو کی قدامت کو نویں اور دسویں صدی ہجری تک لے جاتے ہیں۔ برج بھاشا سے اردو کے رشتے کے تحت بیان کرتے ہیں۔

"ہم اردو کو برج بھاشا کی بیٹی سمجھتے رہے ہیں لیکن ان دونوں زبانوں کی صرف و نحو اور دوسرے خط وخال اور خصائص پر غور کیا جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے راستے مختلف ہیں"(۳)

حافظ محمود شیرانی اردو کے ارتقاء کو ایک زبان سے منسلک کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں:

"لیکن جس زبان سے اردو ارتقاپائی ہے، وہ نہ برج ہے، نہ ہریانی اور نہ قنوجی ہے بلکہ وہ زبان ہے جو صرف دہلی اور میرٹھ کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔"(۴)

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محقق موصوف اُردو کو برج، ہریانی اور قنوجی سے پیدا ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ پنجاب سے اردو کا رشتہ جوڑتے ہیں جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے مترشح ہوتا ہے:

" اُردو دہلی کی قدیم زبان نہیں ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دہلی جاتی ہے۔ چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کرکے جاتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں۔"(۵)

یہ وہ بنیادی نکتہ ہے جو مسعود حسین خان اور حافظ محمود شیرانی کے درمیان لسانی اختلاف کی بنیاد بنا۔ مسعود حسین خان اپنی عدم اطمینانی اور بے یقینی کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زمانہ حال میں اس زبان کی ابتداء اور آغاز سے متعلق جو مختلف نظریات ملتے ہیں ان میں سے بیشتر قیاس آرائیاں ہیں جن کا شاید ذکر بھی کسی علمی اور تحقیقی مقالے میں نہیں آنا چاہیئے۔ اُردو کو دَکن، گجرات، مدارس اور سندھ سے جو نسبت ہے اس کی تاریخی اہمیت مسلم ہے اور بس۔"(۶)

مسعود حسین خاں نے آریوں کے مسکن اور اخراج کے مسئلے پر مختصراً مختلف محققین کا آرا کو نقل کرکے داخلی انتشار اور تضاد کو واضح کرکے ان لوگوں کا رَدِ بلیغ کرتے ہیں جو آریوں کو دیگر علاقوں سے منسوب کرکے اولین بہترین نسل قرار دے کر اسی خطے کو اردو کا مولد و مسکن ٹھہرانے پر بضد نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں :

"ان محققین کا یہ طریقہ استدلال نہایت پھس پھسا ہے چوں کہ ہندوستان قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے اس لیے ابتدائی زبان کی تلاش یہیں کرنی چاہیے۔"(۷)

وہ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آریہ تبت یا مشرق وسطی جیسے علاقے سے نکلے اور ہندوستان میں آکر ایک غالب قوم کی حیثیت سے ہندوستانی زبانوں کو درخوراعتنا نہ سمجھتے ہوئے اپنی اجارہ داری قائم کی جس کے بل بوتے پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں بولی جانے والی زبان جسے بعد میں ہندی،

ہندوی، دکنی، گجراتی، ہند کو، گوجری یا کسی اور نام سے موسوم کیا گیا وہ کسی اور خطے سے ہندوستان پہنچی۔ حالاں کہ دیگر محققین آریہ نسل کی آمد کو مرکزی نقطہ مان کر تحقیق کے زاویے بناتے ہیں۔

قادری زور کے مطابق بھی آریا ایک خارجی عمل کے تحت ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہوئے اور یہاں کی مقامی بولیوں کو متاثر کیا۔ جبکہ دوسری طرف مسعود حسین خاں مصر ہیں اس بات پر کہ ہندوستان اپنی تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے قدیم ہے لہذا اردو زبان کی پیدائش کا یہاں ہونا یقینی ہے۔ مسعود حسین خان نے تقابلی طرز کا مطالعہ کر کے ان تمام عوامل کا جائزہ لیا ہے جو لسانی نظریہ قائم کرنے کی بنیاد کا کام کرتے ہیں۔ جس میں صرف و نحو اور لفظیات کے سرمائے کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ مختلف الفاظ کی تاریخ اور اس کے دیگر ہندوستانی بولیوں کے مزاج سے ہم آہنگی کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

"پنجابی اور اردو کا اشتراک" کے تحت حافظ شیرانی لکھتے ہیں:

"آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی کتب تاریخ و لغات کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہندوستان لاکھ کو "لک"۔ پاگ کو "پگ" کھانڈ کو "کھنڈ" بھانڈ کو "بھنڈ" مات ماٹ کو "مٹھ"۔ آنب کو "انب" مونگ کو "منگ" گاڑی کو "گڈی" گڑیا کو "گڈی" تالاب کو "تل" بڑی جھیل کو "وھنڈ" اور چقندر کو "گنگلر" یا "گانگلہ" کہتے تھے۔ اہل پنجاب انہی الفاظ کو آج بھی لکھ، پگ، کھند، بھند، مٹھ، انب، ٹنگ، گدی، گڈی، وھنڈ اور گونگلو بول رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں کا وہ عنصر قدیم سے ان میں مشترک تھا۔ رفتہ رفتہ اردو زبان سے خارج ہوتا جارہا ہے۔"(۸)

اس ضمن میں مسعود حسین خان لکھتے ہیں:

"پروفیسر شیرانی کے اس خیال کے متعلق ہمیں پھر کہنا پڑتا ہے کہ وہ جدید زبانوں کے مسائل پر بحث کرتے وقت پراکرت اور اپ بھرنش کے لسانی اصولوں کو بالکل نظر انداز کر جاتے ہیں۔ آخری دور کی پراکرتوں کی یہ ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ ان میں ایسے الفاظ بکثرت ملتے تھے جن میں ایک حرف علت سے پہلے مشدد حرف صحیح ہوتا تھا مثلاً کھگو (کھڑگ، تلوار) مکھنم (مکھن) وغیرہ۔ چنانچہ اس قسم کے الفاظ سہل اس طرح بنائے جاتے تھے کہ مشدد حرف کو سادہ تلفظ کرتے تھے اور اس سے پہلے آنے والے حرف علت کو کھینچ کر ادا کرتے تھے۔"(۹)

الف کے گرنے کو مسعود حسین خان پنجابی کا امتیازی وصف ماننے سے انکار کرتے ہیں اور نہ اس

بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اردو اور پنجابی کو دیگر بولیوں کی نسبت اردو سے زیادہ قریب کرتی ہے۔ آگے چل کر اسی نکتے کی توضیح کی ہے:

"قدیم اردو اور دکنی میں یہ تخفیف عام طور سے پائی جاتی ہے۔ اس کا اصل سبب پنجابی نہیں بلکہ با استثنا برج بھاشا نواح دہلی کی تمام بولیوں (کھڑی بولی، میواتی اور ہریانوی) کی یہ عام خصوصیت ہے۔ جس کا یہ سلسلہ شورسینی اپ بھرنش سے ملتا ہے۔"(۱۰)

ڈاکٹر محمد کامران نے حافظ محمود شیرانی کے پنجاب میں اردو کے نظریے پر تبصرہ کرتے ہوئے مسعود حسین خاں کی اس ضرب کاری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس حوالے سے پروفیسر مسعود حسین خان نے اپنی تصنیف "مقدمہ تاریخ زبان اردو" میں متعدد دلیلوں اور مثالوں سے یہ واضح کیا ہے کہ قدیم اردو اور دکنی کی جو خصوصیات محمود شیرانی پنجابی سے منسوب کرتے ہیں وہ دہلی اور نواح دہلی کی بولیوں خصوصا ہریانی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قدیم اردو کا "پنجابی پن" اس کا "ہریانی پن" بھی ہے۔"(۱۱)

محاورات پر بحث کرتے ہوئے حافظ شیرانی لکھتے ہیں:

"اسی طرح اردو کے محاورات "دن دہاڑے"، "ہلنا جلنا"، "چپ چپاتا"، "مانگنا تانگنا" "بال وال" وغیرہ اردو خواں ان کے جزو ثانی کو تابع مہمل کہنے کے عادی ہیں۔ مگر پنجابی زبان میں یہ الفاظ بامعنی ہیں اور آج بھی استعمال میں آرہے ہیں۔"(۱۲)

شیرانی ان محاورات کو اشتراک قدیم کے بین ثبوت قرار دیتے ہیں جبکہ مسعود حسین خاں نے اس پر درج ذیل جواب دیا ہے:

"مانگا تانگا، چپ چپاتے، ہلنا جلنا وغیرہ الفاظ کو شیرانی نے پنجابی صرف اس لیے بتایا ہے کہ اس میں دوسرا لفظ جسے اور لغت نگاروں نے غلطی سے مہمل کہا ہے پنجابی میں ایک مستقل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قسم کے دوسرے اسماء گھوڑا ووڑا، لوٹا اوٹا میں تو عام طور سے دوسرا لفظ تابع مہمل ہوتا ہے لیکن افعال میں عام طور سے ہم معنی لفظ یکجا کر دیے جاتے ہیں۔"(۱۳)

مسعود حسین خان نے اس لفظی رنگ ڈھنگ کو اپنے انداز منیں سمجھنے کو کامیاب کوشش کی ہے اور درست استخراج و استنباط کیا ہے کہ افعال میں عموماً ہم معنی الفاظ اکٹھے لکھ دیے جاتے ہیں۔ اور پنجاب میں ان کا بامعنی ہونا اس پر دال نہیں کہ اسے قدیم سرمایۂ اشتراک کیہ کہا جائے۔

ایک اختلاف لفظ "تھا" پر بھی ان محققین کی راہیں جدا کرتا ہے۔ حافظ شیرانی لکھتے ہیں:

"لیکن ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر لفظ سنسکرت کے ماخذ سے نکالا جائے۔ اب میں بجائے اس کے کہ "تھا" کو ہونا کے گلے باندھوں اور پھر ہونا کو سنسکرت کے "بھو" سے استخراج کروں ۔ یہ زیادہ موزوں سمجھتا ہوں کہ اس کو ملتانی زبان کے مصدر "تھیونا" (بمعنی ہونا) کی ماضی مان لوں۔ تھیونا کی ماضی تھیا آئی ہے۔ اردو والوں نے اسے یائے اشمام سمجھ کر اڑا دیا۔ اور تھا بنا لیا۔ تھیا اتنا قدیم ہے کہ ہندی کا سب سے قدیم جملہ جو ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ اس میں موجود ہے۔"(۱۴)

شیرانی نے "تھا" کو سرائیکی کے "تھیونا" سے جوڑا ہے اور سنسکرت کی لفظی اجارہ داری اور ہر لسانی اشتقاق پر سند ہونے کو چیلنج کیا ہے۔ دوسری طرف مسعود حسین خاں نے اس کے ماخذ کے متعلق بحوالہ (پنجابی گرامر از بیلی) اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"اردو تھا پراکرت تھائی، ٹھائی سنسکرت استھت یہ ہے، تھا کی لسانی تاریخ۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ تھیونا اور تھیا ملتانی میں مصدر اور فعل ماضی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن تھیا پنجابی اور ملتانی میں فعل امدادی ماضی کے طور پر مستعمل نہیں۔ پنجابی کی ماضی میں فعل امدادی سا، سی اور سوں آتے ہیں۔"(۱۵)

مسعود حسین خان کی دلیل یہ ہے کہ پنجابی اور ملتان میں تھیونا فعل ہے جبکہ اردو میں یہ امداری فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ دوسری طرف سنسکرت کے استھت اور پراکرت تھائی اور ٹھائی اپنے صوتی آہنگ اور ہجائی نظام کے مطابق بھی "تھا" کے قریب نظر آتے ہیں۔ لیکن سنسکرت کے لفظ "بھو" سے انکار بھی تجسس پیدا کرتا ہے کہ مسعود حسین خان کی یہ رائے کہ پنجابی میں فعل ماضی کے امدادی افعال سا، سی، اور سوں ہیں پر اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ پنجابی کے مزید ضمنی لہجوں خاص کر جنوبی پنجاب کے ہٹھاڑ اور اوتاڑ کے علاقوں میں اس طرح کے فقرے زبان زد عام ہیں۔

۱۔ اوہ آیا ہا کہ کونی۔ (وہ آیا تھا یا نہیں)

۲۔ کل تُسیں کتھے ہائے۔ (کل تم لوگ کہاں تھے)

۳۔ تہاڈی ماں تہاڈے نال کونی ہائی؟ (تمہاری ماں تمہارے ساتھ نہیں تھی؟)

شیرانی نے چند اختلافات کو بیان کر کے پیدا ہونے والے اشکالات کے پیشگی جواب کی خاطر ان قابل اعتراض عناصر لسانیہ کو نہ صرف معقول جواز فراہم کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ ان کو کمزور اور لسانی

تغیرات کی ضرورت بتایا ہے۔ دوسری طرف مسعود حسین خاں دہلی اور نواح دہلی میں بولے جانے والی زبانوں کے نمونوں کی عدم دستیابی اور محققین کی ان زبانوں سے کماحقہ واقفیت نہ ہونے کو اردو اور پنجابی کا رشتہ سمجھنے میں غلط فہمی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> "پنجابی کے ارتقاء پر مدھیہ پردیش کی زبان کی گہری چھاپ ہے۔ پروفیسر شیرانی کی نظر اس لسانی مواد پر نہیں رہی ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور بھی اس مواد سے بے خبر تھے۔"(۱۶)

جُوں جُوں انسان اپنے علم اور درک و فہم کے بل بوتے پر ایجادات و اختراعات کرتا چلا گیا تُوں تُوں زبان کا ذخیرہِ الفاظ "امیر" ہوتا چلا گیا۔ زبان کے وجود کے بعد پھر بحث کا رخ گرامر کی طرف حتٰی کہ نوبت بہ ایں جا رسید کہ انسان نے یہ جاننے کی بھی کوششیں کیں کہ زبان اور دماغ کا رشتہ کیا ہے۔ انسان کے دماغ میں ہونے والے حیاتیاتی اور کیمیائی عوامل جن کا تعلق سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت سے ہے کو بھی تختہ مشق تحقیق بنایا گیا۔ حافظ محمود شیرانی نے بھی اسی سائنسی طرز تحقیق کے تحت بنیادی اور انتہائی ابتدائیہ عوامل سے بنائے استدلال کو قوی تر بنایا۔ مثلاً گنتی کے تحت (پَنج، تِن، پَنجاہ، چَالی، پینٹھ، سو) اور رشتوں (ماں، بھین، چاچا، ماما، تایا، نانا، دادا) ہتھیاروں کے ناموں سے (بندوق، تلوار، بھالا، تیر، گولی) اور وقت کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہونے والی اکائیوں (منٹ، گھنٹہ، مہینا، سال، ہفتہ، بدھ، دن، رات، پہر) کی مدد سے اپنے دعوے کی تائید کی ہے۔

مسعود حسین خان نے اپنے تقابلی مطالعے کے نتیجے میں اپنی کتاب "مقدمہ تاریخ زبان اردو" میں ایک جلی حروف سے "اردو اور پنجابی کے اختلافات" عنوان قائم کیا ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو کو چونکہ مختلف ناموں سے پکارا گیا جس میں ہندی، ہندوی، گجراتی، ہندکو، ارد، اردو، دکنی، دکھنی، ریختہ اور اندوستانی وغیرہ جیسے نام شامل ہیں تو دکنی میں مراد اردو میں بہت سارے ایسی صرفی و نحوی قواعد اور الفاظ ایسے ہیں جو پنجابی میں موجود نہیں ہیں۔ دوسری طرف کھڑی اور ہریانوی بولیوں میں بہت سارے موجود الفاظ کو پیش کیا ہے جسکی مماثلت اردو سے بدرجہ اتم ہے لکھتے ہیں:

> "حروف ہجا میں اردو کے ڈھ، جھ، گھ، بھ اور دھ کا تلفظ پنجابی میں مختلف طریقہ پر ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ (ہ) پنجابی الفاظ کے شروع میں آتی ہے۔ درمیانی کو اہل پنجاب ایک خاص لہجہ میں بدل دیتے ہیں۔ عام طور سے یہ ہمزہ (مخصوص ٹون) کو اختیار کر لیتی ہے۔ جیسے شہر، شیئر، لاہو، لواور، بھوک، پوکھ، دھیان، دی آن، گھوڑا، کوڑا، سمجھ، سمَج، کچھ، کَج۔ اس کے برخلاف کھڑی بولی، برج بھاشا وغیرہ میں (ہ) کا تلفظ واضح طور سے ادا کیا جاتا ہے۔ بارہ آنے، ڈھول، ھاڑ، پڑھنا، دھونا، بھائی۔"(۱۷)

(ہ) کا اختلاف بیان کر کے محقق موصوف نے مثالوں میں بھوک، بوکھ کی مثال کو بھی مدِ نظر رکھا ہے۔ حالاں کہ یہ پنجابی کا ایک مخصوص لہجہ ہے جو ہر جگہ نہیں بولا جاتا۔ کیونکہ ہر جگہ لہجے کی یکسانیت بر قرار نہیں رہتی۔ جنوبی پنجاب میں بُھکھ بھی رائج ہے اگر اس لفظ کے جز ثانی میں (ھ) ہے یعنی "ک" کے ساتھ (ہ) ہے تو ادھر جز اول میں یعنی "ب" کے ساتھ (ہ) مل کر بھ بناتی ہے جو اردو میں بھی موجود ہے۔ "ب" کو "پ" سے بدلنے ایک مظہر لفظ "دستیاپ" ہے جو "دستیاب" کی شکل ہے۔ لب و لہجے کے زیر اثر بعض جگہوں پر "بھائی" کو "پائی" ایک مخصوص جھٹکے کے ساتھ یا یوں کہیے کہ ہمزہ کی آواز ساتھ اضافی طور پر ادا کی جاتی ہے۔ اس خفیف صوتی امتیاز کو اختلاف زبان اردو و پنجابی قرار دے کر دوسری جانب مسعود حسین خاں نے (ہ) کی آواز کا اردو اور کھڑی بولی میں ایک جیسا ہونا بیان کیا ہے جسے ڈاکٹر شوکت سبز واری نے بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اس سلسلے میں ایک اور خصوصیت (ہ) اور ہائیہ حروف (تھ، دھ، چھ، بھ، پھ) کا تلفظ اردو کی خصوصیت ہے، جس میں مشرقی ہندی اور بہاری اس کی شریک ہیں کہ وہ (ہ) کا تلفظ واضح اور جلی انداز میں کرتی ہے اور قدیم ہائیہ حروف کو علی حالہ باقی رکھنے میں (چٹر جی کے الفاظ میں) قدامت پسند اور کہنہ خیال یعنی لکیر کی فقیر واقع ہوئی ہے۔"(۱۸)

اردو کے ساتھ مشرقی ہندی اور بہاری کو شامل کرتے ہوئے ہائیہ حروف کی جلی اور مکمل آواز دینے کی خاصیت کو پنجابی سے منہاد کھایا گیا ہے۔ اسی مقام پر آگے چل کر لکھتے ہیں:

" اس کے بر عکس اردو کے دائیں بائیں آگے پیچھے بولی جانے والی زبانیں پنجابی، سندھی، راجھستانی، گجراتی نیز بنگالی (ہ) کے ساتھ اگوس سا ہے، وہ تنہا ہو یا کسی حرف صحیح کے ساتھ مخلوط، کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتیں۔ کہیں اسے گرادیا جاتا ہے اور کہیں ہمزہ کی طرح اس کا تلفظ کیا جاتا ہے۔"(۱۹)

ڈاکٹر شوکت سبز واری اور مسعود حسین خاں کی تحقیق اس نقطے پر یکساں ہیں کہ پنجابی میں ہائیہ حروف کے تلفظ مختلف ہو جاتے ہیں۔

"ڑھ" کی آواز کا پنجابی میں نہ ہونا اور دَکنی میں ہونا اگلا اختلاف ہے جس کو دوسرے نکتے میں مسعود حسین خان نے پیش کیا ہے۔ اس کے بعد "ضمائر" کے تحت لکھتے ہیں:

"زبان کے کینڈے کو متعین کرنے اور دیگر زبانوں سے اس کے رشتے کو بتانے میں ضمائر کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو سب قواعد نویسوں نے تسلیم کیا ہے۔ دکنی اور پنجابی کے بنیادی اختلافات ضمائر سے اچھی طرح اُجاگر ہوتے ہیں"(۲۰)

کسی بھی زبان میں واقعتاً اسماءِ ضمیر کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار ممکن نہیں کہ بولتے ہوئے جو الفاظ سب سے زیادہ استعمال ہوتے ہیں ان میں ضمائر کا تناسب زیادہ ہے یہی وجہ ہے کہ مسعود حسین خان نے "حالت اضافی"، "حالت مفعولی"، فاعلی جمع متکلم"، مفعولی جمع متکلم"، "اضافی جمع متکلم"، فاعلی جمع حاضر"، اضافی جمع حاضر"، فاعلی جمع غائب" جیسی تقسیم کاری اور حد بندی کر کے بالتفصیل بیان کیا ہے کہ کس طرح سے پنجابی اور دَکنی (اُردو) میں ضمائر کے لحاظ سے مغایرت ہے۔ بر محل اور متعدد دلائل و امثال کے ساتھ ساتھ تقابل نے امتیاز حدود و قیود کو قائم رکھنے میں بہم سہولت پہنچائی ہے جسکی وجہ سے محقق موصوف کے بارے میں ماہرین لسانیات اور دیگر صاحبان فضل و کمال کے ہاں انکا درجہ تحقیق ارفع اور مسلم ہے۔

پروفیسر سید شفیق احمد اشرفی نے لکھا ہے :

"مسعود حسین کا یہ کہنا کہ اردو آج بھی دوآبے کی زبان ہے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ پیڑ، پودوں کی طرح لسان کی جڑیں بھی مخصوص علاقوں پر گہرے طور پر پیوستہ ہوتی ہیں۔"(۲۱)

مسعود حسین خاں کے نظریے کی اہمیت آج بھی مسلم ہے جسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موصوف نے اپنے تقابلی منہج تحقیق کو کسی صورت میں منحرف نہیں ہونے دیا بلکہ ہر مقام کی تشریح و توضیح میں جذباتیت اور کھوکھلے جانب دارانہ فیصلے کی بجائے اپنی رائے کو دلائل سے مزین کیا ہے۔

دوسری طرف حافظ محمود شیرانی کو بھی تحقیق کے میدان میں "محقق اول" اور "امام تحقیق" کہا جاتا ہے۔ رشید حسن خان اور ڈاکٹر گیان چند جین جسے اعلیٰ پائے کے محقق اپنی کتابوں کا انتساب انکی تکریم اور خدمات کے احترام میں ان کے نام کرتے ہیں۔

حافظ محمود شیرانی نے "قدیم اردو اور پنجابی" کے تحت اپنے دعوے کی تائید میں تینتیس (۳۳) صوفیا اور شعرا کا کلام پیش کیا ہے جس میں انکی شعریات و لفظیات سے اپنے استنباط و استخراج کی راہ نکالی ہے جبکہ پندرہ صوفیا کے کلام پر بحث کرتے ہوئے ان میں استعمال ہونے والے ذخیرہ الفاظ کے تانے بانے پنجابی اور اردو کو یکساں ثابت کرنے والے عوامل سے ملانے کی کوشش کی ہے۔ صوفیانہ روایت کا لسانی تعبیر کی روشنی میں مطالعہ کرنے کا اصول بیان کرتے ہوئے مولوی عبدالحق کی تائیدی رائے کے ساتھ لکھتے ہیں:

"ہمارے صوفیوں کا تعلق مختلف علاقوں سے تھا۔ اس لیے ہر صوفی کا قول اردو زبان کے تجزیے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ مثلاً بابا فرید کا تعلق پنجابی کے علاقے سے تھا۔ لیکن ان کے بعض فقروں میں پنجاب کا "دا" کی بجائے اردو "کا" ملتا ہے۔ یہی صورت شیخ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات کی ہے "(۲۲)

حافظ شیرانی نے مختلف صوفیاء کے نمونہ ءکلام کو درج کرنے کے بعد اختتامیے کے طور پر لکھا ہے:

"چند کلمات ان بزرگوں کی زباندانی کے متعلق بھی کہنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام کو جانچتے وقت ہمیں اپنے زمانہ کے معیار تنقید سے کام نہیں لینا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ لوگ پنجاب سے تعلق رکھتے تھے جہاں اردو مادری زبان نہیں ہے اور ایسے ڈیڑھ دو سو سال پہلے خود اردو کا معیار مختلف تھا۔ میں مانتا ہوں کہ انکے خیالات بلند نہیں ہیں اور نہ زبان با محاورہ ہے اور اکثر حالات میں پنجابی لہجہ غالب ہے۔ تاہم ان کے مطالعے سے ہمارا مقصد شاعری سیکھنا نہیں ہے بلکہ صوبہ پنجاب میں اردو کی نشو نما اور اس کی ترقی کا مطالعہ کرنا۔"(۲۳)

اولین نثری نمونوں کی عدم دست یابی شعری نمونوں کی طرف مراجعت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود مسعود حسین خاں نے اپنے فطری تجسس اور محققانہ اسلوب کو کام میں لاتے ہوئے ابتدائی ترین ماخذات کے حصول کی کوشش جاری رکھی جس میں انہیں حوصلہ افزا نتائج حاصل ہوئے۔

شیرانی کے مطابق لفظی تشریحات میں پنجابی کم درجے کی زبان نہیں ہے بلکہ دیگر بولیوں یا زبانوں کی نسبت قدرے بہتر لفظی پس منظر اور تاریخی تناظر کو ہم آہنگی کے ساتھ بیان کرنے کے قابل ہے۔ مسعود حسین خاں کا دعوی یہاں بھی مختلف ہے۔ لکھتے ہیں:

"ہمارے خیال میں مراہٹی زبان کے بعض لسانی اثرات کو چھوڑ کر دکنی اردو کے تمام غریب الفاظ کی توجیہ نواح دہلی کی تین بولیوں (ہریانوی، کھڑی اور برج) سے کی جا سکتی ہے۔"(۲۴)

مسعود حسین خاں نے اپنے لسانی نظریے کی تشکیل میں جہاں زول بلاک اور چیٹرجی کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا ہے وہاں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ محقق موصوف کے سامنے شیرانی کا فراہم کردہ لسانی ڈھانچہ اور سائنٹفک طریق تحقیق موجود تھا۔ جسکی روشنی میں نئے ذرائع اور ماخذات تحقیق کو بروئے کار لا کر نئی تحقیقات کے لیے راہ ہموار کرنا قدرے آسان تھا۔ شیرانی نے اپنے مخصوص فن "مخطوطہ شناسی" اور تاریخی و سیاسی حالات سے گہری واقفیت کی بنیاد پر اپنے لسانی نظریے کو کلاسیکی روایت تحقیق میں رہ کر "پنجاب میں اردو" کے روپ میں پیش کیا۔ لیکن "خوب سے خوب تر کی جستجو" اور "بہتری کی گنجائش بہر حال رہتی ہے" کے مصداق آنے والے محققین اپنی اپنی بساط کے مطابق لسانی میدان تحقیق میں

کارہائے نمایاں سر انجام دیتے رہیں گے تاہم شیرانی کا نام سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ دوسری طرف مسعود حسین خاں کی غیر معمولی تقابلی کاوش " مقدمہ تاریخ زبان اردو" کو بھی درجہ استناد حاصل ہے۔ ہر دو محقق حضرات نے سنجیدہ اور علمی اسلوب اپنا کر بغیر الزام تراشی اور کھوکھلے جذباتی نعروں کے اپنے استدلال اور پیش کردہ اقوال و امثال سے اپنے اپنے دعوے کو پیش کیا ہے جس میں لفظی توجیہات، صرفی، نحوی قواعد کا موازنہ، افعال و اسمائے صفات کا مسئلہ اور ضمائر کی بحث جیسے امور میں نہات تحمل مزاجی اور بردباری سے کام لے کر تحقیقی منہج کو مجروح کیے بغیر تحقیقات خاصہ کو معلومات عامہ کے لیے جویان حق کے سپرد کر دیا ہے۔ تحقیق صرف نئے نظریات کی تشکیل کی ٹھوس علمی بنیادیں ہی تلاش نہیں کرتی بلکہ مسلمہ نظریات پر نگاہ بازگشت ڈال کر اسقام و نقائص کے اخراج کے بعد درست علمی نتائج فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی قبول کرتی ہے لہذا محقق کا کام ہے کہ وہ ما قبل موجود نظریات کو بھی نئے علمی سانچوں میں رکھ کر پرکھے اور تازہ ترین معلومات، جدید آلات تحقیق اور نئے ماخذات کو بروئے کار لاتے ہوئے تحقیقی سرمائے میں اضافے کا باعث بنتا رہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) خواجہ محمد اکرام، پیش لفظ،اردو کی صوتی لغت، مرتبہ: پروفیسر نصیر احمد خاں نقوی (دہلی: کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۴ء)، ۲۶۔

(۲) خورشید احمد صدیقی، اردو زبان کا آغاز مختلف نظریات اور حقائق، (جموں کشمیر: شجع پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ۴۸۔

(۳) حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (لاہور: سلسلہ اشاعت انجمن ترقی اردو، اسلامیہ کالج، ۱۹۲۸ء)، ۶۔

(۴) ایضاً، ۸۔

(۵) تبسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ، ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۱۹۔

(۶) مسعود حسین خاں، پیش لفظ، مقدمہ تاریخ زبان اردو، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۹ء)

(۷) ایضاً، ۳۔

(۸) حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (لاہور: سلسلہ اشاعت انجمن ترقی اردو، اسلامیہ کالج، ۱۹۲۸ء)، ۲۲۹۔

(۹) مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۹ء)، ۲۱۶۔

(۱۰) ایضاً، ۲۱۹۔

(۱۱) محمد کامران، اردو زبان و ادب کی مختصر تاریخ، (لاہور: ماوراء پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، ۱۲۔

(۱۲) حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (لاہور: سلسلہ اشاعت انجمن ترقی اردو، اسلامیہ کالج، ۱۹۲۸ ء)، ۹۔

(۱۳) مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۹ء)، ۱۲۔

(۱۴) حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (لاہور: سلسلہ اشاعت انجمن ترقی اردو، اسلامیہ کالج، ۱۹۲۸ء)، ۹۳۔

(۱۵) مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، ۲۱۲۔

(۱۶) ایضاً، ۲۶۱۔

(۱۷) ایضاً، ۲۲۳

(۱۸) شوکت سبزواری، داستان زبان اردو، (دہلی: چمن بکڈپو، اردو بازار، ۱۹۶۱ء)، ۱۲۳۔

(۱۹) ایضا، ۳۳۔

(۲۰) مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، (لاہور: عبداللہ اکیڈمی، ۲۰۱۹ء)، ۲۲۵۔

(۲۱) سید محمد شفیق اشرفی، اردو کے آغاز کے مختلف نظریات، مضمون مشمولہ اردو ریسرچ جرنل اکتوبر، دسمبر ۲۰۱۹ء، ۳۲۔

(۲۲) مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، ۲۵۴۔

(۲۳) محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، ۲۳۰۔

(۲۴) مسعود حسین خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، ۲۵۹۔

BIBLIOGRAPHY

- Khwaja M. Ikraam, *Peesh Lafz, Urdū kī sotī Lught*, (Compl.) Prof. Naseer Ahmed Khan Naqvi, (Delhi: Council Braey Firog-e Urdu 2014)
- Khursheed Ahmed Sadeeqi, *Urdū Zubān ka Aagaz mukhtalif Nazriyat aur Haqa'iq*, (Jamu Kashmir: Shaja Publications, 1993)
- Hafiz Mahmood Sherani, *Punjāb Meṉ Urdū*, (Lahore: Silsila Ishaat Anjuman e Taraqi e Urdu, Islamia College, 1928)
- Tabasum Kashmiri, *Urdū Adab kī Tarīkh ibtada sy 1857 tak*, (Lahore: Sang e meel Publications 2003)
- Masood Husain Khan, *Muqadma Tarīkh-e Zūbān Urdū*, (Lahore: Abdullah Academy, 2019)
- M .Kamran, Urdū Zūbān-o Adab kī mukhtasir Tarīkh, (Lahore: Mawra Publishers, 2011)
- Shukat Sabzwari, *Dastān-e Zūbān-e Urdū*, (Delhi: Chaman Book depu,1961)
- Syed M. Shfeeq Ashrafi, Urdu k Aagaz k mukhtalif nazriyat, Mazmoon mashmoola *Urdu Research journal*, Oct-Dec 2019

❖❖❖